© rasailojaraid.com

عبادت اور عبودیت

از افادات علامہ ابن تیمیہ رح

مترجمہ

(مولوی صدرالدین صاحب اصلاحی)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آیت کریمہ

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ (بقرہ - ۳)   لوگو! اپنے رب کی "عبادت" کرو

کا کیا مطلب ہے، "عبادت" کا کیا مفہوم ہے؟ اس کے اصول و فروع کیا ہیں؟ آیا دین پورے کا پورا اس لفظ عبادت میں داخل ہے یا نہیں، اور یہ لفظ دین کے تمام کلیات و جزئیات کو محیط ہے یا دین کے کچھ شعبے اس کی حدود سے خارج ہیں؟ عبودیت کی حقیقت کیا ہے؟ کیا عبودیت ہی کسی مخلوق کے شرف و مجد کا منتہائے کمال ہے یا اس سے بلند تر کوئی مقام اور بھی ہے؟

امام موصوف اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

مفہوم عبادت کی وسعت

الحمد للہ رب العالمین۔ "عبادت" ایک جامع لفظ ہے۔ اس کے اندر وہ تمام ظاہری اور باطنی اعمال اور اقوال داخل ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور جو اس کی خوشنودی کا باعث بنتے ہیں۔ مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، راست گوئی، امانت، صلہ رحمی، دیانت، اطاعت والدین، ایفائے عہد، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، جہاد فی سبیل اللہ اور پڑوسیوں، یتیموں، مسکینوں اور مملوکوں کے ساتھ ــ خواہ یہ مملوک انسان ہوں خواہ بہائم ــــ نیک سلوک، دعاء، ذکر الٰہی، تلاوت قرآن اور اسی قسم کے تمام اعمال صالحہ صورت عبادت کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ نیز اسی طرح اللہ اور اس کے رسول کی محبت، رحمت خداوندی کی امید اور عذاب الٰہی کا خوف، خشیت، انابت، اخلاص، صبر، شکر، توکل اور تسلیم و رضا وغیرہ تمام صفات حسنہ عبادت کی حدود میں شامل ہیں۔ اور عبادت ہی اللہ تعالیٰ کی وہ غایت محبوب و مقصود وحید ہے جس کے لیے اس نے یہ سارا کارخانۂ عالم پیدا کیا۔ جیسا کہ قرآن ہمیں بتاتا ہے:

تخلیق انسانی کی غایت مقصود

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ (ذاریات - ۳)   میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا تاکہ وہ میری عبادت کریں۔

اور دنیا میں جو رسول بھی بھیجا گیا، اسی غایت کے ساتھ اور اسی مقصد کی تذکیر و تبلیغ کے لیے۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔   اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

پھر یہی بات حضرت ہود، صالح، شعیب اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم سے کہی۔ قرآن میں ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ۔

ہم نے ہر قوم میں ایک پیغام بر بھیجا (یہ پیغام دے کر) کہ لوگو! اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے دور رہو۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ۔

اے نبی! تم سے پہلے ہم نے جس پیغمبر کو بھی بھیجا اس کو ہم نے یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری ہی عبادت کرو۔

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ۔

درحقیقت تم لوگوں کی یہ امت ساری کی ساری ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا رب ہوں سو میری عبادت کرو۔

یہ حقیقت پوشیدہ نہ رہنی چاہیے کہ ان آیات میں "فاعبدون" کا خطاب صرف عوام ہی یعنی امتیوں ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ خود اس دعوت کے داعی اور اس پیغام کے مبلغ انبیاء کرام بھی اس کے مخاطب اور مکلف ہیں جس کی تصریح ایک دوسرے مقام پر اس طرح کی گئی ہے:

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ۔ (مومنون۔ ۲)

اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک کام کرو۔ بلاشبہ میں تمہارے اعمال سے واقف ہوں۔

ایک دوسری آیت میں اسی چیز کو مزید وضاحت اور صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ اس فریضہ کی ادائیگی زندگی کے آخری لمحوں تک کے لیے واجب ہے:

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ (حجر۔ ۶)

اے محمد! اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ "یقین" (موت) کا وقت آجائے۔

پھر یہی عبادت وہ چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ انبیاء اور ملائکہ کی صفتِ کمال کے طور پر مداحانہ ذکر کرتا ہے:

وَلَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ عِندَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ، يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ۝ (انبیاء۔ ۲)

آسمان اور زمین میں جو لوگ ہیں وہ سب اسی کے ہیں۔ جو ملائکہ اس کے حضور میں ہیں وہ نہ کبھی اس کی عبادت سے سرتابی کرتے ہیں نہ کاہلی کرتے ہیں، رات دن اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس میں ذرا بھی نہیں تھکتے۔

فَالَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ۔

جو ملائکہ تیرے رب کے پاس ہیں وہ کبھی اس کی عبادت سے کبر و اعراض نہیں کرتے، ہر دم اس کی تسبیح کرتے رہتے اور اس کی جناب میں سر بسجود رہتے ہیں۔

اس کے بالمقابل جو لوگ کائنات عالم کی اس غایتِ آفرینش کو پورا نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے بندگی اور سرافگندگی کا اظہار کرنے کے بجائے استکبار سے کام لیتے ہیں ان کی اللہ تعالیٰ یوں مذمت کرتا ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ۔

اور تمہارے رب نے فرمایا کہ مجھے پکارو، میں تمہاری سنوں گا۔ بے شک جو لوگ عبادت سے منہ موڑتے ہیں وہ دوزخ میں ذلیل و خوار داخل ہوں گے۔

عبودیت۔ بندے کے لیے بلند ترین مقام | عبادت ہی جب تکوینِ عالم کی غرض و غایت ٹھہری تو اس غرض کا پورا کرنا ہی خالقِ ارض و سما

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی خوشنودی کا باعث ہوا، اور کسی مخلوق کی انتہائی برتری اور برگزیدگی کے معنی یہ ہوئے کہ وہ عبدیت کے انتہائی مقام پر پہنچا ہوا ہے چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ جب اپنے خاص اور مقرب بندوں کا شفقت و محبت اور اعزاز و تکریم کے ساتھ ذکر کرنا چاہتا ہے تو انھیں اسی صفتِ عبدیت سے متصف کرتا ہے اور ان کا تذکرہ "عبد" کے لفظ سے کرتا ہے :۔

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ (دہر-۱)
ایک چشمہ جس سے عباد اللہ (اللہ کے بندے) سیراب ہوں گے۔

عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا
رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں۔

جب شیطان نے اپنی ملعونیت کی سزا سن کر اللہ کے حضور کہا کہ میں اس کے بدلے میں تیرے بندوں کو سبز باغ دکھا دکھا کر گمراہ کروں گا تو بارگاہ رب العزت سے ارشاد ہوا :۔

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ (حجر-۳)
بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کوئی بس نہ چلے گا بجز ان گمراہوں کے جو تیرا اتباع کریں۔

ملائکہ کے متعلق فرمایا :

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ..... وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (انبیاء)
اور یہ کافر کہتے ہیں کہ رحمٰن نے اپنی اولاد بنائی ہے۔ پاک اور منزہ ہے اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے۔ بلکہ وہ تو اللہ کے مکرم بندے ہیں اور وہ خوف سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہتے ہیں

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ....
آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے وہ اللہ کے حضور عبد اور بندہ ہو کر حاضر ہو گا۔

حضرت مسیح کے بارے میں جن کے متعلق نبوت کے ساتھ ساتھ الوہیت کا بھی دعویٰ کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ کہتا ہے :

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ (زخرف-۶)
وہ تو محض ایک بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا۔

چنانچہ اسی لیے کہ کہیں مسلمان بھی پیغمبر آخر الزمان کے معاملہ میں یہی غلطی کر بیٹھیں کہ انھیں ان کے اصلی مقام —— مقامِ عبدیت —— سے ہٹا دیں۔ آنحضرتؐ نے اپنی امت کو کھلے لفظوں میں وصیت فرما دی کہ :

لا تطروني كما اطرت النصارىٰ عيسى ابن مريم۔ انما انا عبد فقولوا عبد الله ورسوله (الحدیث)
میری مدح و ستائش میں غلو نہ کرنا جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کو مرتبہ کی حد سے بڑھا دیا۔ میں تو محض ایک بندہ ہوں سو مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہنا۔

عام بندگانِ خاص اور ملائکہ اور دیگر انبیائے کرام کی طرح خیر خلق اور سرور عالم کا ذکر بھی اسی لفظ "عبد" سے ہوتا ہے۔ معراج جیسے مائۂ صد ناز اور عظمت مآب واقعہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرمایا جاتا ہے :

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا .....
پاک و برتر ہے وہ خدا جو راتوں رات اپنے بندے کو لے گیا.....

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى۔
اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف جو کچھ وحی کی، کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی دعوت و تبلیغ رسالت کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے :

وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ
اور جب اللہ کا بندہ اس کو پکارنے (قرآن پڑھنے) کے لیے کھڑا ہوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عَلَيْهِ لِبَدًا ۔ (جن ۔ ۱) تو وہ اس پر پل پڑے ۔

منکرینِ قرآن کو چیلنج دیتے اور رسول کریم کی طرف سے تحدی کرتے ہوئے کہا جاتا ہے:

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ ۔ اور اگر تم اس چیز (قرآن) کے (منجانب اللہ ہونے کے) بارے میں شک میں ہو جس کو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو پھر اس جیسی ایک ہی سورۃ بنا کر مقابلہ میں لاؤ۔

دین اور عبادت کا ترادف

ان آیات ونصوص سے جہاں ایک طرف یہ حقیقت روشن ہوتی ہے کہ عبدیت مخلوق کے شرف ومجد اور عظمت وسعادت کی معراج کمال ہے اور اس کے آگے بلندی کا کوئی مقام باقی نہیں رہ جاتا، وہاں دوسری طرف یہ امر بھی بے نقاب ہو جاتا ہے کہ دین اپنے تمام اجزاء کے ساتھ "عبادت" میں سمٹا ہوا ہے۔ سارے انبیاء اللہ کا دین سکھانے آئے جیسا کہ قرآن میں متعدد مقامات پر تصریح موجود ہے۔ اور پھر ہر نبی نے "فاعبدوہ" کا درس دیا، معلوم ہوا کہ "دین" اور "عبادت" ایک ہی حقیقت کی دو مختلف تعبیریں ہیں۔ بخاری کی مشہور حدیث جبریل اس امر کی پوری وضاحت کر دیتی ہے۔ جبریل علیہ السلام ایک اعرابی کی شکل میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور آتے ہی صحابہ کرام کے سامنے رسول اکرم صلعم سے اسلام، ایمان اور احسان کے متعلق سوالات کیے کہ "اسلام کیا ہے؟" تو رسول اللہ نے جواب دیا "اسلام یہ ہے کہ تم شہادت دو، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، اور یہ کہ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور بشرط استطاعت حج کرو۔" پھر پوچھا کہ "ایمان کی کیا تعریف ہے؟" ارشاد ہوا "ایمان نام ہے خدا کی وحدانیت پر، اس کے فرشتوں پر اس کی نازل کی ہوئی کتابوں پر، اس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر، مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر اور احوال وواقعاتِ عالم کو، خواہ وہ خیر ہوں یا شر، نوشتۂ تقدیر کا پابند ہونے پر دل سے یقین لانے اور رکھنے کا۔" پھر سوال کیا کہ "احسان کسے کہتے ہیں؟" فرمایا "احسان یہ ہے کہ تم خدا کی عبادت کرو اس طرح کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔" جب جبریل علیہ السلام یہ سوال وجواب کر کے چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "یہ جبریل تھے جو تمہیں تمہارا "دین" سکھانے آئے تھے۔"

دیکھو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام چیزوں کو "دین" فرمایا درآں حالے کہ انہی تمام چیزوں کے مجموعہ کا نام "عبادت" بھی ہے۔

"دین" اور "عبادت" کی لغوی تحقیق

آؤ، "دین" اور "عبادت" کے الفاظ پر غور کر کے دیکھیں کہ لغت میں ان کا مفہوم اور مدلول کیا ہے؟

دین کے لغوی معنی ہیں عاجزانہ سرفگندگی، خضوع اور تذلل۔ اہل عرب کہتے ہیں "دِنْتُهُ فَدَانَ" یعنی میں نے اس کو ذلیل وناچار اور اپنا مطیع ومنقاد بنایا اور وہ ایسا بن گیا۔ "نَدِينُ اللهَ وَنَدِينُ لِلّٰهِ" یعنی ہم خدا کی بندگی واطاعت کرتے ہیں اور اپنے کو اس کے سامنے ڈال دیتے ہیں۔ پس اللہ کے دین کا مطلب ہوا اس کی اطاعت، بندگی اور اس کے سامنے اظہار تذلل وسرفگندگی۔

عبادت کا لغوی مفہوم بھی اسی کے قریب قریب ہے اور اس لفظ کے معنی بھی تذلل اور انقیاد تام کے ہیں، چنانچہ اہل عرب اس راستہ کو جو کثرتِ آمد ورفت کی وجہ سے راہ گیروں کے قدموں سے خوب روندا گیا ہو اور بالکل صاف اور ہموار ہو گیا ہو، "طَرِيقٌ مُعَبَّدٌ" کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاحِ شریعت میں عبادت کا مفہوم اسی حد تک محدود نہیں ہے بلکہ خضوع اور تذلل کے ساتھ اس میں محبت کا عنصر بھی شامل ہے، اور عبادت شریعت کی زبان میں اللہ تعالیٰ کے روبرو انتہائی تذلل اور کامل محبت دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر لغتِ عرب میں "تیم" کا لفظ عبد کے معنی میں آتا ہے اور تتیم محبت کے آخری درجہ کا نام ہے۔ جس طرح کہ اس کے پہلے درجہ کو "علاقہ"، دوسرے کو "صبابۃ"، تیسرے کو "غرام"، چوتھے کو "عشق" کہتے ہیں۔ پس متیم وہ شخص ہوا جو اپنے محبوب میں بالکل کھو گیا اور اس کے سامنے بالکل بچھ گیا ہو یعنی اس کا کامل غلام اور معبّد ہو۔ متیم اور تیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے الفاظ کا عبد کے معنی میں آنا خود گواہی دیتا ہے کہ عبادت کے اندر محبت کاملہ عشق کامل کا بھی مفہوم موجود ہے۔ پس اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے سامنے جھکتا تو ہے مگر ارادت و محبت کے بجائے بغض اور کراہت قلبی کے ساتھ جھکتا ہے، یا وہ ایک شخص سے محبت تو کرتا ہے مگر اس کے سامنے فروتنی اور سرافگندگی کا اظہار نہیں کرتا، جیسا کہ ایک باپ اپنے بیٹے سے یا ایک دوست اپنے دوست سے محبت رکھتا ہے تو ایسی حالت میں اس کو عبد یا عابد نہ کہا جائے گا۔

لفظ عبادت کی اس تشریح کو سامنے رکھیے تو یہ حقیقت خود بخود بے نقاب ہو جاتی ہے کہ شریعت نے جس عبادت الٰہی کا ہمیں حکم دیا اور ہمارا مقصدِ زندگی قرار دیا ہے اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا اگر اس کے اندر ان دونوں چیزوں میں سے صرف ایک ہی چیز ہو اور اس فریضہ سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بندہ کے نزدیک کائنات کی ہر شے سے زیادہ محبوب اور ہر چیز سے زیادہ مکرم و محترم ہو، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ کامل محبت اور کامل تعظیم و تکریم کا مستحق صرف اللہ ہی ہے اور ہر وہ محبت غلط اور فاسد ہے جو غیر اللہ سے کی جائے اگر اللہ کے لیے نہ ہو۔ نیز ہر وہ تعظیم اصلاً باطل اور ناروا ہے جو کسی ماسوا کی کی جائے اور فرمانِ الٰہی کے ماتحت نہ ہو۔ حق تعالیٰ کا کہنا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (توبہ - ۳)

اے نبی مسلمانوں سے کہہ دو کہ اگر تمھارے باپ، بیٹے اور بھائی، تمھاری بیویاں، تمھارے خاندان، تمھارے وہ مال جن کو تم نے کما رکھا ہے اور تمھاری وہ عزیز تجارتیں جن کے سرد پڑ جانے کا تمھیں اندیشہ لگا رہتا ہے اور تمھارے وہ مکانات جن کو تم بہت پسند کرتے ہو، اگر یہ تمام چیزیں تمھارے نزدیک اللہ، اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو ٹھیرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم سامنے لے آئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ محبت اصلاً خدا ہی کا حق ہے اور نبی کی محبت بھی اس کی تبعیت میں ہے، لیکن بہر حال شرعی طور پر اصل محبت خدا اور رسول دونوں سے ہونی چاہیے جس طرح اطاعتِ مطلق اور طلبِ رضا دونوں کی ہونی چاہیے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (اللہ و رسول اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ یہ لوگ انھیں خوش رکھیں)۔ نیز صاحبِ حکم و امر دونوں ہی ہیں، وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (اور کاش یہ لوگ راضی ہوتے اس چیز پر جس کو اللہ اور رسول نے انھیں دیا تھا)۔ لیکن یاد رہے کہ عبادت اور اس کے لوازم مثلاً توکل، اور خوف و رجا وغیرہ کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور ان امور میں اس کا رسول کسی حیثیت سے بھی اس کا شریک نہیں ہے۔ قرآن کا اعلان ہے کہ:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (آل عمران - ۷)

اے نبی کہہ دو کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے تمھارے درمیان برابر ہے یعنی یہ کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیرائیں اور ہم میں سے کوئی خدا کو چھوڑ کر کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔ پھر اگر یہ لوگ تمھاری بات نہ مانیں تو ان سے کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلم (اس امر حق کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے) ہیں

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ

اور کیا خوب ہوتا اگر وہ لوگ راضی ہو جاتے اس چیز پر جس کو اللہ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ (توبہ - ۷)

اس کے رسول نے انھیں دیا تھا اور کہتے کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے وہ اپنے فضل سے ہم کو آئندہ بھی دے گا اور اس کا رسول۔ ہم تو خدا ہی کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔

دیکھو، اس آیت میں دونوں باتیں ثابت ہو گئیں، یہ بھی کہ صاحب امر و نہی اللہ بھی ہے اور اس کا رسول بھی، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں اس کی تصریح موجود ہے:

وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (حشر - ۱)

جو کچھ رسول تمھیں دیں، اسے لے لو، اور جس چیز سے روکیں اس کو چھوڑ دو۔

اور یہ بھی کہ "حسب" یعنی کفایت کنندہ اور کارساز کل اور معتمد علیہ صرف اللہ جل شانہ ہے، اور اس حقیقت کو ایک زائد آیتوں میں بوضاحت بیان کر دیا گیا ہے:

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ (آل عمران - ۱۸)

وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمھارے مقابلہ کے لیے (بڑی جمعیت اور سامان) فراہم کیا ہے، سو ان سے ڈرو، تو ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انھوں نے کہا کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (انفال - ۸)

اے نبی! تمھارے لیے اور تمھارے پیرو کار مسلمانوں کے لیے اللہ[1] کافی ہے۔

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ۔

کیا اللہ اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں۔

عبدیت کی تحقیق اب ہم لفظ "عبد" اور "عبادت" پر تحقیق و تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں۔ "عبد" کے دو معنی ہیں، "متعبَّد" اور "عابد"۔ متعبَّد، یعنی مشیت الٰہی کے فیصلوں کا زیر فرمان، تابع اور مجبور محض غلام، جو خدا کے احکام قضا کے سامنے طبعی اور فطری طور پر بالکل جھکا ہوا ہو اور اللہ تعالیٰ اس کے احوال و معاملات کو جس طرح چاہتا ہو، بناتا، بگاڑتا اور اُلٹتا رہتا ہو۔

عبدیت کا تکوینی مفہوم اس معنی کے اعتبار سے کائنات عالم کا ایک ایک ذرہ، بغیر استثنا کے خدا کا عبد ہے۔ نیکوکار ہوں یا بدکار، مومن ہوں یا کافر، متقی ہوں یا فاجر، اہل جنت ہوں یا اہل نار، سب کے سب یکساں طور پر عبد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سب کا رب ہے، سب کا مالک اور خالق ہے اور ان میں سے کوئی بھی اس کی مشیت اور قضا و قدر سے یک سر مو باہر قدم نہیں رکھ سکتا۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے وہی ظہور میں آتا ہے، خواہ اس کے ظہور میں آنے کی کتنی ہی خواہش کیوں نہ کی جائے۔ اسی طرح جو کچھ وہ نہیں چاہتا وہ کبھی صورت وجود اختیار نہیں کر سکتا، خواہ اس کی کتنی ہی شدید تمنا کیوں نہ کی جائے۔ یہی قانون فطرت ہے جو اس آیت میں بیان ہوا ہے:

اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی

کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین ڈھونڈتے ہیں حالانکہ جو

---

[1] بعض لوگوں نے "مَنْ" کو "اللہ" کے لفظ پر عطف مانا ہے اور ان کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ "اے نبی تمھارے لیے اللہ اور تمھارے مومن متبعین کافی ہیں"۔ لیکن آیت کا مفہوم سمجھنے میں ان لوگوں نے بڑی فحش غلطی کی ہے، ایسی فاحش غلطی کہ جس کی تردید کی بھی ضرورت نہیں۔ قرآن کے مسلمہ کلیات کے یہ بات سراسر خلاف ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ۔ (آل عمران - ۹)

اور جو کوئی بھی آسمان اور زمین میں ہے، چار و ناچار اس کے سامنے سرنگوں ہے اور اسی کے حضور یہ سب لوٹائے جائیں گے۔

پس اللہ تعالیٰ ہی رب العالمین ہے، وہی سب کا پروردگار ہے، سب کا خالق ہے، سب کا رازق ہے، سب کا زندگی بخشنے والا، سب کا مارنے والا، سب کے دلوں کو پھیرنے والا اور سب کے عواقب و احوال کے اندر حسب منشا تصرف کرنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی اس کائنات کا رب، خالق اور مالک نہیں، خواہ کوئی اس امر بدیہی کا اعتراف کرے یا نہ کرے اور اس حقیقت تاباں سے واقف ہو یا نہ ہو۔

عبدیت کی اس منزل میں تو اہلِ ایمان اور اہلِ کفر، دونوں ہی ساتھ ساتھ ہوتے ہیں لیکن اب اس سے آگے چل کر دونوں کی راہیں الگ الگ ہو جاتی ہیں اور دونوں کے درمیان ایک خطِ امتیاز کھنچ جاتا ہے۔ اہلِ ایمان تو ان حقائق کا علم بھی رکھتے ہیں اور دل کی گہرائیوں میں ان پر اذعان اور یقین بھی رکھتے ہیں۔ لیکن جو ایمان کی روشنی سے محروم ہیں، وہ یا تو ان حقائق کا جیسا کہ چاہیے، علم نہیں رکھتے یا پھر علم تو رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود انکار کرتے ہیں، پروردگارِ حقیقی کے خلاف اپنی کبریائی کا عَلَم بلند کر دیتے ہیں اور اس کے سامنے جھکنے اور سرِ عجز و نیاز خم کرنے کے بجائے استکبار کی روش پر جم جاتے ہیں۔ گو اندر سے ان کا دل گواہی دیتا ہے کہ اللہ نے ہی انھیں پیدا کیا ہے اور وہی انھیں رزق بھی دیتا ہے۔ یہ دونوں ہی قسم کے منکرینِ حق، ایمان و کفر کے لحاظ سے ایک ہی پوزیشن رکھتے ہیں اور دوسری قسم کے باغیانِ حق کا علم و اعتراف ان کی حیثیتِ ایمانی پر کوئی اثر نہیں ڈالتا کیونکہ انکار اور سرکشی کے ساتھ معرفتِ حق، علامتِ ایمان اور موجبِ نجات نہیں بلکہ اور زیادہ باعثِ عذاب ہے۔ فرعون اور فرعونیوں کے حق میں قرآن فرماتا ہے:

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ؟ (نمل - ۱)

باوجود اس کے کہ ان کے قلوب خدا کی نشانیوں کی صداقت کا یقین رکھتے تھے لیکن انھوں نے ظلم اور کبر کی بنا پر انکار کر دیا۔ سو دیکھو کہ ان مفسدوں کا کیسا انجام ہوا؟

اہلِ کتاب کے متعلق فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَھُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْھُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ (بقرہ - ۱۷)

جن لوگوں کو (پہلے) ہم نے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن یا صاحبِ قرآن) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ایک گروہ جانتے بوجھتے امرِ حق کو چھپاتا ہے۔

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۔

دراصل یہ لوگ تمھیں نہیں جھٹلاتے (بلکہ دل میں تمھیں سچا سمجھتے ہیں) لیکن یہ ظالم خدا کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

بہرحال بندہ کا اللہ تعالیٰ کے متعلق صرف اس قدر علم و اعتراف کہ وہی اس کا پروردگار اور خالق ہے اور وہ ہر حال میں اس کا محتاج اور نیازمند ہے، اپنی صرف اُس عبودیت کا اقرار ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے ہے۔ ایسا بندہ اپنے ربِ حقیقی کے سامنے بوقتِ ضرورت دستِ سوال بھی پھیلایا کرتا ہے، اس کے سامنے گڑگڑاتا بھی ہے اور اس پر توکل بھی رکھتا ہے، لیکن اس کے باوجود اس کے احکام کی اطاعت میں ثابت قدم نہیں نکلتا۔ وہ کبھی ان کو مانتا ہے، کبھی نہیں مانتا، کبھی خدا کے روبرو جھکتا ہے تو کبھی شیاطین و اصنام کے سامنے سجدہ ریز نظر آتا ہے۔ سو اس قسم کی عبودیت — یعنی اللہ تعالیٰ کی محض صفتِ ربوبیت کے فہم و یقین —

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کسی شخص کے با ایمان ہونے کا فیصلہ نہیں ہوسکتا، اور نہ اس یقین سے اہل جنت اور اہل نار کے درمیان کوئی تفریق ہو سکتی ہے۔ اس قسم کا ایمان اپنے وجود و عدم کے لحاظ سے یکساں ہے۔ قرآن میں ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ

اور ان میں سے بیشتر تو اس طرح خدا پر ایمان رکھتے ہیں کہ دوسروں کو بھی اس کی خدائی میں شریک ٹھہراتے ہیں۔

مشرکین کو کبھی اس سے انکار نہ تھا کہ اللہ ہی سب کا خالق اور رازق ہے اور نہ قرآن حکیم نے کبھی ان پر یہ الزام رکھا کہ وہ خدا کی خالقیت اور رازقیت کو کیوں نہیں تسلیم کرتے۔ اس کا ان پر الزام صرف یہ تھا کہ اس علم و اقرار کے باوجود کہ خدا ہی سب کو وجود بخشتا اور سامان زیست بہم پہنچاتا ہے، اور دوسروں کو کیوں اس کی معبودیت میں حصہ دار بناتے ہیں:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ (عنکبوت)

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کیے اور سورج چاند کس نے مسخر کیے تو جواب دیں گے اللہ نے۔

قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۔ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۔ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۔ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۔ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۔ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ ۔ (مومنون ۔ ۵)

ان سے کہو، (ذرا بتاؤ تو سہی) یہ زمین اور اس کے بسنے والے کس کے ہیں؟ اگر تم جانتے ہو۔ جواب دیں گے اللہ کے۔ کہو، تو کیا پھر بھی تم کو ہوش نہیں آتا؟ پوچھو کہ ساتوں آسمان اور بزرگی والے تخت کا رب کون ہے؟ کہیں گے یہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہیں۔ کہو، تو کیا پھر بھی تم نہیں ڈرتے۔ پھر دریافت کرو کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھوں میں ہر شے کی بادشاہت اور حکمرانی ہے اور وہ پناہ دیتا ہے مگر اس کے مقابلہ میں کہیں بھی پناہ نہیں مل سکتی۔ (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو! جواب دیں گے اللہ ہی کی (ساری کائنات کی حکومت ہے)۔ کہو، تو پھر کہاں سے تم پر جادو آپڑا ہے (کہ تمہاری عقل یوں ماری گئی)۔

اور یہ وہ حقیقت ہے جس کا انکار مشکل ہی کوئی سوجھ بوجھ رکھنے والا انسان کر سکتا ہے۔ ہر شخص کو ایک ادنیٰ تامل اور تفکر اس حقیقت تکوینی کا مشاہدہ کرا سکتا ہے۔ چنانچہ خدا کے مسلم اور فرماں بردار بندوں ہی کی یہ کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ اس کے باغی اور نافرمان بندے بھی اس حقیقت کو اسی طرح مانتے ہیں جیسا کہ اہل ایمان۔ حتیٰ کہ ابلیس لعین بھی اپنی تمام ڈھٹائیوں کے باوجود اس سے انکار کی جرأت نہیں کر سکا اور اپنی سزائے ملعونیت سننے کے بعد بھی اس کے منہ سے سب سے پہلے یہی نکلا کہ:-

رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ (حجر ۔ ۳)

اے رب! تو مجھے اس دن تک کے لیے مہلت دے جبکہ مردے اٹھائے جائیں گے۔

رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ (حجر ۔ ۳)

اے رب جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی یقیناً ان انسانوں کو زمین میں سبز باغ دکھاؤں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا۔

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ

قسم ہے تیرے عزو جلال کی میں ضرور ان سب کو جادۂ حق سے پھیر دوں گا۔

یہ اور اس طرح کی بے شمار آیتیں ہیں جن میں وہ اس بات کا علانیہ اقرار کرتا ہے کہ اللہ ہی اس کا اور سب کا پروردگار اور خالق ہے نہ کہ کوئی اور۔ اسی طرح اہل جہنم بھی اس اعتراف میں کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے وہ اس امر کا اقرار کریں گے کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ (مومنون - ۶)

اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بدبختی سوار ہوگئی تھی اور ہم گم کردہ راہ لوگ تھے۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ قَالَ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا (انعام - ۳)

کاش کہ تم اُن لوگوں کو اس وقت دیکھتے جب کہ اپنے رب کے حضور کھڑے کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کیا یہ حق نہیں ہے؟ تو جواب دیں گے کیوں نہیں، قسم ہے ہمارے رب کی (یہ سب حق ہے)

پس جو شخص اسی حقیقتِ تکوینی کی حد تک پہنچ کر رک جاتا ہے اور اس عبدیت سے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے ہے، آگے قدم بڑھا کر حقیقتِ تشریعی کی حدود میں داخل نہیں ہوتا اور اس عبدیت کا قائل اور حامل نہیں بنتا جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی الٰہیت، معبودیت اور اس کی اور اس کے پیغمبروں کی اطاعت سے ہے، وہ کسی طرح بھی ابلیس اور اہلِ جہنم کے مقابلہ میں کوئی امتیاز نہیں رکھتا، دراصل وہ انہی کی جنس اور زمرہ میں شامل ہے۔ اور اگر اس کے باوجود وہ اپنے تئیں یہ زعم بھی رکھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اُن "بندگانِ خاص" اور "اولیا مقربین" اور "پہنچے ہوئے عارفین کاملین" میں سے ہے جن سے تکلیفِ شرعی ساقط ہوگئی ہے تو وہ کافروں اور ملحدوں سے بھی بدتر اور گمراہ تر انسان ہے۔ اسی طرح جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ حضرت خضر یا کوئی اور احکامِ شرع کا مکلف نہیں اس لیے کہ اس کو ارادۂ الٰہی اور اسرارِ تکوینی کا مشاہدہ حاصل ہے، تو اس کا یہ گمان اور قول منکرینِ خدا کے اقوال اور اوہام اور اباطیل سے بھی زیادہ بیہودہ ہے۔

عبد اور عبدیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے جس کی اب تک اوپر کی سطروں میں توضیح ہوئی، اور جیسا کہ یہ بھی بیان ہو چکا کہ عبدیت کے اس مفہوم کے لحاظ سے ہر شخص خدا کا عبد ہے، مومن بھی اور کافر بھی، حتیٰ کہ جس طرح ایک نبی اسی طرح ایک شیطان رجیم بھی۔ اور یہ عبدیت، نجات و کامرانی آخرت کے لیے ذرا بھی مفید نہیں جب تک کہ انسان اس سے آگے بڑھ کر عبدیت کے دوسرے مفہوم کے لحاظ سے عبد نہ بن جائے۔

عبدیت کا دوسرا مفہوم

"عبد" کا دوسرا مفہوم "عابد" ہے، یعنی بندہ صرف اللہ ہی کی عبادت کرے، کسی دوسرے کے سامنے اپنی پیشانی نہ جھکائے، اس کے اور اس کے رسولوں کے احکام کی اطاعت کرے، اس کے صالح اور متقی بندوں سے رابطۂ محبت رکھے اور اس کے نافرمان اور باغی بندوں سے ترکِ تعلق کر لے۔ اس دوسرے معنی کے لحاظ سے ایسا بندہ عبدیت سے خارج ہے جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت تو تسلیم کرتا ہے لیکن اس کی عبادت اور اطاعت نہیں کرتا، یا اس کے ساتھ کسی دوسرے "اِلٰہ" کی بھی عبادت کرتا ہے۔ کیونکہ کسی ذات کو اِلٰہ تسلیم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ انسان کا قلب انتہائی محبت اور رغبت اور پوری تعظیم و تکریم اور خوف و رجا، صبر و شکر اور انابت و توکل کے گہرے جذبات کے ساتھ اسی کی طرف مائل ہو۔ پس جب یہ بندہ اللہ کے ماسوا بھی کسی کو معبود اور اِلٰہ بناتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے جذباتِ عبودیت اور احساساتِ شوق و محبت کو تقسیم کر دیتا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ایسا شخص عموماً اپنی ساری متاعِ نیاز غیر اللہ ہی کے حضور ڈال دیا کرتا ہے۔

عبدیت اور عبادت کا یہ پہلو اللہ تعالیٰ کی الٰہیت سے تعلق رکھتا ہے، یعنی اس کی الٰہیت کا مقتضا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ توحید کا عنوان ہے لا الٰہ الا اللّٰہ (اللہ کے سوا کوئی الٰہ اور معبود نہیں) یہی وہ عبادت ہے جو خدا کی نگاہ میں محبوب و مرغوب ہے، اسی عبدیت کا وہ اپنے بندوں سے مطالبہ کرتا ہے، اسی عبودیت کو وہ اپنے صالح اور برگزیدہ بندوں کی صفتِ امتیاز اور وجہِ بزرگی قرار دیتا ہے اور اسی کی تبلیغ و تذکیر کے لیے وہ اپنے پیغمبروں کو دنیا میں بھیجتا رہا ہے۔ اس کے بالکل برعکس، در بالمقابل عبد اور عبدیت کا پہلا مفہوم ایک ایسی چیز ہے جس کا رضائے الٰہی سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ جیسا کہ اوپر گزر چکا، اس میں کافر و مومن برابر کے شریک ہیں، ایک کافر بھی ان معنوں میں، ویسا ہی عبد ہے جیسا کہ ایک مومن۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقائق تشریعی و حقائق تکوینی میں فرق نہ کرنے کے نتائج

"عبادت" کے ان دونوں مفہوموں میں جو فرقِ عظیم ہے اس کو ذہن نشین کر لینے کے بعد وہ فرق بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے جو حقائق تشریعی اور حقائق تکوینی کے درمیان اور ان کے علم و اعتراف کے درمیان ہے۔ حقائق تشریعی یا دینی تو وہ حقیقتیں ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی اطاعت، عبادت اور شریعت سے ہے، جو اس کی رضا کا ذریعہ ہیں اور جن کے ماننے والوں کو وہ اپنی دوستی اور ولایت کی سند افتخار عنایت کرتا ہے۔ اور حقائق تکوینی وہ حقیقتیں ہیں جن کا تعلق اولیاء الشیطان سے بھی اسی قدر ہے جس قدر اولیاء الرحمٰن سے ہے۔ یعنی اگر ایک شخص محض انہی حقائق کے تسلیم کر لینے پر اکتفا کرتا ہے اور ان سے آگے بڑھ کر حقائق تشریعی کا علم و اذعان بھی عملاً اپنے اندر نہیں پیدا کر لیتا، تو وہ پیروانِ ابلیس کے زمرہ میں شامل ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حقائق تکوینی ہی کے تسلیم کر لینے اور انہیں کے مطابق اپنی زندگی کا نظام چلانے پر اکتفا تو نہیں کرتا بلکہ حقائق دینی کا بھی اس کے دل و دماغ میں دخل ہے مگر پوری طرح نہیں ہے بلکہ بعض امور میں تو وہ ان حقائق کی روشنی قبول کرتا ہے اور کچھ دوسرے امور میں ان کی طرف سے آنکھیں پھیر لیتا ہے، تو ایسا شخص ایک نامکمل مومن ہے اور خدا کا ناقص پرستار۔ اس کے ایمان میں اسی قدر کمی اور نقص ہے جس قدر کہ وہ حقائق دینیہ کے اتباع سے گریز کرتا اور علمی یا عملی طور پر ان کا انکار کرتا ہے۔

یہ ایک اہم تشریحی نکتہ اور بڑا ہی نازک مقام ہے جہاں کتنوں ہی کے قدم راہ راست سے منحرف ہو گئے اور حق کی شاہراہ سے دور جا پڑے۔ خصوصاً اہل سلوک کو اکثر اس مقام پر سخت اشتباہات سے دوچار ہونا پڑا اور ایسے بے شمار اکابر شیوخ طریقت ہیں جنہوں نے یہاں ٹھوکریں کھائی ہیں جن کو تحقیق حق اور توحید و معرفتِ الٰہی کا رازداں کہا جاتا ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کی طرف شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

> "بہت سے لوگ ہیں کہ جب وہ قضا و قدر کے پاس پہنچے (یعنی انہیں ارادۂ الٰہی کا مشاہدہ نصیب ہوا) تو وہیں ٹھیر گئے۔ لیکن میرا حال یہ نہیں ہے، بلکہ میں وہاں پہنچا تو میرے روبرو اس میں ایک کھڑکی کھلی اور میں نے قدرِ ارادۂ الٰہی سے ــــ حق کے ساتھ اور حق کے لیے ــــ جنگ کی ــــ مرد وہ ہے جو قدر کا مقابلہ کرتا ہے، نہ کہ وہ جو اس کے سامنے سپر ڈال دیتا ہے۔"

شیخ ممدوح کا یہ ارشاد عین مدعائے شریعت ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں امر فرمایا ہے اور جس کی اس کے رسول نے ہم کو تعلیم دی ہے۔ لیکن بہتیرے یہاں پہنچ کر بھٹک گئے اور سر رشتۂ حق ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔ اور یہ اس طرح پر کہ جب کبھی وہ سلوک کی منزلیں طے کرتے ہوئے قضائے الٰہی کے قریب جا پہنچتے ہیں اور وہاں ان گناہوں اور معصیتوں کا ــــ حتیٰ کہ شرک اور کفر جیسی معصیتوں کا ــــ مشاہدہ کرتے ہیں جو ان پر یا دوسروں پر مقدر ہو چکی ہوتی ہیں، اور انہیں نظر آتا ہے کہ ان معصیتوں کا وقوع اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قضا کے مطابق ہونے والا ہے، یعنی وہ اس کے احکام ربوبیت اور مقتضائے مشیت کے تحت (نہ کہ اس کی رضا کے اندر) داخل ہیں تو ان کی عقل و فہم پر یہ خیال غلبہ پا لیتا ہے کہ بس اب یہ جو کچھ قضائے خداوندی میں طے ہو چکا ہے، اس کے سامنے تسلیم و نیاز خم کر دینا، بلکہ اس پر راضی ہو جانا ہی دین و شریعت اور عبادت و طریقت ہے۔ لیکن ذرا غور تو فرمائیے کتنا خطرناک خیال ہے جو ان مشرکین کے خیالات سے کسی طرح بھی مختلف نہیں جو کہا کرتے تھے:

لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا — اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم اور نہ ہی ہمارے باپ دادا شرک کرتے اور نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ (انعام ۱۸) — کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔

لَوْ شَاءَ الرَّحْمَٰنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ (زخرف ۲) — اگر رحمان چاہتا تو ہم ان بتوں کو نہ پوجتے۔

أَنُطْعِمُ مَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ (یٰسین ۳) — کیا ہم انھیں کھلائیں جن کو اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا؟

لیکن اگر ان لوگوں کو ہدایت کی روشنی نصیب ہوتی تو انھیں معلوم ہوتا کہ ایمان بالقدر اور تسلیم و رضا کا وہ مقصد ہرگز نہیں ہے جو خیرہ نگاہی کے باعث انھوں نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم پر جو مصیبت بھی پڑے، ہم اس پر صبر کریں، اور یہ یقین کرکے کہ یہ خدا ہی کی طرف سے ہے، جس کا ہم پر نازل ہونا ناگزیر تھا، اس کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرلے جائیں۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ۔ — جو مصیبت بھی کسی کو پہنچی وہ اللہ ہی کے حکم سے پہنچی۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے دل کو راہ راست سجھا دیتا ہے۔

بعض علمائے سلف کی تفسیر کے مطابق "مَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ" سے مراد وہ شخص ہے جو مصائب دنیا میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے اندر یقین بیدار ہوجاتا ہے کہ یہ سارے آزار خدا ہی کی طرف سے ہیں، پھر ان پر جزع فزع کرنے کے بجائے اس کے قلب پر صبر و رضا کا سکون چھا جاتا ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا جاتا ہے کہ:۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ (حدید ۳) — زمین میں اور خود تمھارے اپنے اوپر جو مصیبت بھی نازل ہوتی ہے وہ قبل اس سے کہ ہم اس کو عالم وجود میں لے آئیں ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ بے شک کہ یہ بات اللہ کے لیے آسان ہے (اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لو) تاکہ کسی چیز کے ہاتھ نہ آنے کا تمھیں افسوس ہو اور نہ کسی چیز کے ملنے کی از حد خوشی۔

صحیح بخاری اور مسلم دونوں کی روایت ہے کہ "حضرت آدم اور موسیٰ علیہما السلام میں بحث ہوئی۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ آپ وہی آدم ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا اور آپ کے پتلے میں اپنی روح پھونکی، فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور تمام چیزوں کے "اسماء" کا آپ کو علم بخشا، پھر آپ نے ہمیں، اور خود اپنے کو جنت کی نعمتوں سے کیوں نکال باہر کیا؟ حضرت آدم نے جواب دیا "آپ وہی موسیٰ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے نوازا اور اپنے پیغام کا حامل اور مبلغ بنایا اور شرف نبوت عطا کیا تو آپ کو معلوم ہے کہ یہ بات میرے حق میں، میری آفرینش سے پہلے ہی لکھی جاچکی تھی (یا نہیں)؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا ہاں (یہ تو صحیح ہے)"۔

مباحثہ کی یہ روداد بیان کرچکنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ "اس مباحثہ میں حضرت آدم نے حضرت موسیٰ کو قائل کردیا"۔

دیکھو حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اپنے کو بے قصور ٹھہرانے کے لیے قضا و قدر کا نام نہیں لیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ قضا و قدر سے استدلال کرنا جاہل اور معصیت پرست کا کام ہے نہ کہ کسی مومن اور مسلم کا اس لیے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر یہ چیز کسی کے گناہ کے لیے عذر ہوسکتی ہے تو پھر کفار اور عاد و ثمود جیسی گمراہ اور مغضوب قوم حتیٰ کہ ابلیس تک کو اس بنا پر معذور سمجھنا چاہیے کہ انھوں نے جو کچھ کیا، مشیت الٰہی کے مطابق کیا۔

پھر حضرت موسیٰ کے اسلوب اعتراض پر بھی غور کرو کہ انھوں نے حضرت آدم کو ان کے ارتکاب گناہ پر کوئی ملامت نہیں کی کیونکہ ان کا یہ گناہ بارگاہِ الٰہی سے بخشا جا چکا تھا اور حضرت آدم مغفرت، ہدایت اور نبوت کے سہ گانہ انعامات سے سرفراز ہوچکے تھے بلکہ ان کو ملامت اس مصیبت کی بنا پر کی جو ان کی لغزش کی وجہ سے تمام بنی نوع انسان پر نازل ہوئی اور انھوں نے حضرت آدم سے صرف یہ کہا کہ "آپ نے ہمیں جنت سے کیوں نکالا"۔ جس کا جواب بھی حضرت آدم نے وہی دیا جو دینا چاہیے تھا کہ "یہ بات تو میرے عالم آب و گل میں آنے سے پہلے ہی طے ہوچکی تھی"۔ یعنی یہ لغزش اور اس لغزش کی یہ سزا دونوں ہی نوشتۂ ازل میں مقدر تھیں اور جو مصائب مقدر ہوچکے ہوں انھیں ان کے واقع ہوجانے پر، صبر و تسلیم کے جذبات کے ساتھ جھیل لے جانا ضروری ہے کہ اللہ جل شانہٗ کو اپنا رب ماننے کا یہی معیار ہے، اسی کا نام تسلیم و رضا ہے اور یہی کمالِ ایمان کا مقتضا ہے۔ قرآن مجید نے بار بار اسی چیز کا مطالبہ کیا ہے:

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ (مومن- ۶)
پس (مصائب پر) صبر کرو (اور یقین رکھو کہ) خدا کا وعدہ سچا ہے۔ اور اپنے گناہ کی معافی مانگو۔

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا (آل عمران- ۹۲)
اور اگر تم صبر سے کام لوگے اور خدا سے ڈرتے رہوگے تو ان (اعداء دین) کی چالیں تمھارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گی۔

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔
اور اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ ہمت کے کام ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں:

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (یوسف- ۱۰)
اس میں شک نہیں کہ جو خدا سے ڈرتا ہے اور صبر پر کاربند رہتا ہے (اس کے لیے کامیابی ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کی روش اختیار کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

غرض نزول مصائب کے وقت ایک مومن کا فرض یہی ہے کہ وہ صبر اور تسلیم کا شیوہ اختیار کرے۔ اسی کا نام ایمان بالقدر اور تسلیم و رضا ہے۔ اس کے مقابل معاصی کے بارے میں اس کا فرض یہ ہے کہ ان پر صبر کرنے اور خوشی کے ساتھ کرتے رہنے کے بجائے ان سے پوری نفرت کے ساتھ دور بھاگے، ان کے سامنے سپرانداز ہونے کے بجائے ان سے برسرپیکار رہے، اگر کبھی دامن ان سے آلودہ ہوجائے تو خدا کے سامنے توبہ و استغفار کے آنسوؤں سے اسے پاک کرنے کی کوشش کرے۔ اسی طرح اگر وہ اپنے کو نہیں بلکہ دوسروں کو، خدا کی نافرمانیوں میں مبتلا پائے تو اس وقت اس کا فرض یہ ہے کہ اپنی وسعت اور طاقت بھر انھیں ان سے روکنے کے لیے کمربستہ ہوجائے۔ جہاں کہیں بھی برائی نظر آئے، اسے مٹانے کی جدوجہد کرے اور اس کے پشت پناہوں سے ___ یعنی کفار اور منافقین ___ سے خدا کے لیے جنگ کرے۔ نیکی اور معروف کو محبت کی نگاہ سے دیکھے اور اس کی تبلیغ و اشاعت میں منہمک رہے۔ اللہ کے دوستوں کو دوست رکھے اور اس کے دشمنوں کو دشمن، اللہ ہی کے لیے محبت کرے اور اللہ ہی کے لیے دشمنی، اور اس موقع پر نسل و خاندان اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوم و وطن کے تمام رشتوں کو فراموش کر دے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ ...... قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ۔

(ممتحنہ - ۱)

اے ایمان لانے والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ تم ان کو محبت کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ وہ اس حق کا کھلم کھلا انکار کر چکے ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے اور رسول کو، نیز تم سب کو، تمہارے اپنے گھر بار سے نکال دیتے ہیں...... تمہارے لیے ابراہیم اور ان کے رفقاء کے (سوانح حیات) میں ایک عمدہ نمونۂ عمل موجود ہے۔ یاد کرو اس وقت کو جب کہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم سے اور تمہارے معبودوں سے، جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو، ہم بری اور بے تعلق ہیں، ہم تمہارا (یعنی تمہارے مسلک کا) انکار کرتے ہیں۔ ہمارے تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض پیدا ہو چکا ہے یہاں تک کہ تم تنہا اللہ ہی پر ایمان لاؤ۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ۔

(مجادلہ - ۳)

تم کسی قوم کو، جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو، ایسا نہ پاؤ گے کہ وہ ان لوگوں سے رشتۂ مودت رکھتی ہو، جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہوں، خواہ وہ ان کے اپنے ہی باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان والے کیوں نہ ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان پیوست کر دیا ہے اور اپنی "روح" سے ان کی تائید اور مدد کر رکھی ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر کفر و نفاق کی معصیتوں میں گرفتار رہنے والوں کے لیے قضا و قدر کا عذر واقعی کوئی عذر ہوتا تو پھر ان سے اتنی شدید نفرت اور عداوت رکھنے کا حکم کیوں ہوتا۔ اور اگر ایمان بالقدر کا مطلب یہ ہوتا کہ جو برائیاں بھی عالم ظہور میں آتی ہیں، وہ مشیت الٰہی کے بموجب بہرحال ظہور پذیر ہونے والی ہیں، اس لیے ان کی مدافعت اور مقاومت کے بجائے ان کا خیر مقدم ہی کرنا چاہیے تو پھر اہل ایمان اور اہل کفر، اہل تقویٰ اور اہل فجور سب کو یکساں ہونا چاہیے تھا، حالانکہ قرآن حکیم کہتا ہے کہ:

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ۔

کیا ہم ایمان لانے اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو زمین میں فساد برپا رکھنے والوں کے برابر کر دیں گے یا متقیوں کو بدکاروں کے مساوی کر دیں گے؟

أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ۔

تو کیا ہم اطاعت گزاروں کو مجرموں اور نافرمانوں کی طرح کر دیں گے؟

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَن نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً

کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہ برائیاں کمائی ہیں، یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم انھیں ان کے برابر کر دیں گے جو صاحب ایمان ہیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں ؟ ان کا مرنا اور جینا دونوں یکساں ہیں ؟

اس طرح کی ایک دو نہیں بلکہ بے شمار آیات قرآن مجید میں موجود ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اہل حق اور اہل باطل، اہل طاعت اور اہل معصیت، اہل ہدایت اور اہل ضلالت، اہل تقویٰ اور اہل فجور کے درمیان انتہائی تفریق کی اور ان دونوں گروہوں کو ایک دوسرے کے مقابل رکھا ہے۔ لیکن جس شخص کی نگاہ صرف حقائق تکوینی ہی تک پہنچتی ہے اور حقائق تشریعی کی معرفت تک اس کی رسائی نہیں ہوتی، وہ ان دونوں مقابل گروہوں اور ان کی متضاد صفتوں کے مابین کوئی فرق نہیں کرتا اور دونوں کو ایک ہی صفت میں لاکھڑا کرتا ہے۔ حد یہ ہے کہ وہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کا ہم پلہ قرار دے دیتا ہے، جیسا کہ قیامت کے دن ایسے لوگ خود ہی اپنی اس نادانی کا حیرت کے ساتھ اظہار کریں گے :

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (شعراء ـ ۵) قسم اللہ کی یقیناً ہم کھلی ہوئی گمراہی میں تھے جبکہ ہم تمھیں (تم بتوں کو) پروردگارِ کائنات کا ہم پلہ قرار دیتے تھے۔

یہی نہیں، بلکہ اس جاہلانہ منطق نے بہتوں کو جہل وضلالت کی اس آخری سرحد پر پہنچا دیا ہے جس کے بعد گمراہی کی کوئی منزل باقی نہیں رہ جاتی۔ ان لوگوں نے کائنات کی ہر چھوٹی بڑی مخلوق کو خالق کائنات کا مساوی ٹھیرا دیا اور ہر موجود کو اس اطاعت اور عبادت کا مستحق بنا دیا جو صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کا حق تھا۔ اور یہ اس طرح پر کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ ہی ساری موجودات کا وجود ہے یعنی وجودِ کائنات اور ذاتِ الٰہی دونوں ایک ہی حقیقت کے مظہر ہیں اور ہم جسے اللہ کہتے ہیں وہ مخلوقات کے وجود سے الگ اور ماسوا کوئی چیز نہیں۔ العیاذ باللہ۔ اس کے بعد کفر اور الحاد کا اور کونسا مقام باقی رہ جاتا ہے !

گویا اس خالص کافرانہ نظریہ کے قائلین منطقی طور پر، اُن دونوں معنوں میں سے کسی معنی میں بھی اپنی عبودیت کا اعتراف نہیں کرتے جن کی توضیح اور تفصیل ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ اس نظریہ کی بنا پر تو وہ خود اپنے ہی کو خدا کہتے نظر آتے ہیں، جیسا کہ بہت سے ملحدین نے صراحتہً اس امر کا دعویٰ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمیں عابد بھی ہیں اور ہمیں معبود بھی۔ حالانکہ یہ قول نہ تو حقائق دینی ہی کے اعتراف ومشاہدہ پر مبنی ہو سکتا ہے، نہ ہی حقائق تکوینی پر، بلکہ کھلا ہوا جہل اور اندھا پن ہے۔ نصاریٰ کو خدانے کافر ٹھیرایا صرف اس بنا پر کہ وہ ایک انسان ــــ حضرت مسیح علیہ السلام ــــ کے متعلق حلول اور اتحاد کا عقیدہ رکھتے تھے، پھر ان لوگوں کے کفر صریح کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو کائنات کے ایک ایک ذرہ کے بارے میں یہی اعتقاد رکھتے ہیں۔

ان کے مقابل ان لوگوں کی راہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جن کے پاس خدا کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔ ان کا علم اور یقین یہ ہے کہ " اللہ تعالیٰ ہر شے کا رب، ہر چیز کا مالک اور ہر موجود کا خالق ہے۔ ایسا خالق جو تمام مخلوقات سے بالکل جداگانہ اور مبائن حقیقت رکھتا ہے۔ وہ نہ تو کسی شے میں حلول کرتا ہے، نہ کسی چیز سے متحد ہوتا ہے اور نہ اس کا وجود اور کائنات کا وجود ایک ہے ــــ اس نے اپنی اور اپنے پیغمبروں کی کامل اطاعت کا حکم دیا اور ہر طرح کی نافرمانی سے منع کیا ہے۔ وہ فساد کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ اپنے بندوں کو کفر و شرک کرتے دیکھ کر اس کے غضب کی انتہا نہیں رہتی۔ مخلوق کے لیے ضروری ہے کہ اس کی عبادت میں ہمہ دم معروف رہے، اس کے احکام بجا لاتا رہے اور اس کے لیے اسی سے توفیق بھی مانگے۔ جیسا کہ قرآن مجید سکھاتا ہے کہ ہم یہیں کہ :-

اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ـ (فاتحہ) (اے اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے توفیق اور مدد مانگتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سے منجملہ دیگر فرائض کے ایک فرض یہ بھی ہے کہ خدا کے بندے اپنے مقدور بھر امر بالمعروف کریں، منکر کا سدباب کریں اور خدا کی راہ میں کفار اور منافقین سے جہاد کریں۔

پھر اس علم اور یقین کے بعد وہ عملی طور پر میدان میں اتر آتے ہیں اور اللہ کے دین کو سطح ارض پر رائج کرنے کے لیے اپنی ساری قوتیں، صلاحیتیں اور کوششیں صرف کر دیتے ہیں، اور اس راہ میں وہ اللہ ہی سے نصرت اور تائید بھی مانگتے ہیں، نہ کہ قضا و قدر کے نام پر ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔

یہ طلبِ اعانت اور توفیق طلبی ان مکروہات کے لیے تثبیتِ قلب کا کام دیتی ہے جو انھیں اس راہ میں پیش آتے ہیں اور ان مکروہات کا مقابلہ کرنے کی توانائی بخشتی ہے جو آئندہ پیش آ سکتے ہیں۔ مثلاً انسان کھانا کھاتا ہے تاکہ وہ اس خوراک سے اپنی موجودہ بھوک کا ازالہ کرے اور آئندہ کے لیے اپنے جسم کو وہ قوت بہم پہنچائے جو مستقبل میں اس کا دفاع اور مقابلہ کر سکے۔ وہ ایسا کبھی نہیں کرتا کہ تقدیر کے نام پر کھانا پینا چھوڑ دے۔ یہی اصول ہے جو ہمیں اس حدیث سے ملتا ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا وہ دوائیں جن سے ہم اپنا علاج کرتے ہیں اور وہ تعویذ گنڈے جن سے ہم جھاڑ پھونک کرتے ہیں اور اسی طرح کی تمام احتیاطیں اور تدبیریں جن کو ہم اپنی روز مرہ کی زندگی میں برتتے ہیں تقدیر الٰہی کو بدل سکتی ہیں؟ آں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہِیَ مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ، یہ سب چیزیں بھی تقدیر ہی کے ماتحت ہوتی ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "دعا اور بلا زمین اور آسمان کے درمیان دوچار ہوتی ہیں اور آپس میں گتھم گتھا ہو جایا کرتی ہیں"۔

یہ ہے اُن لوگوں کے علم و اعتقاد اور سعی و عمل کا حال جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی عبادت و بندگی کرتے ہیں۔ اور یہ تمام چیزیں جن کا اوپر ذکر ہوا سب کی سب عبادت میں داخل ہیں۔

حقیقتِ شرک

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کی تازہ تصنیف جس کی بعض قسطیں ترجمان القرآن میں نکل چکی ہیں چھپ کر آ گئی ہے۔ اس کتاب میں شرک کی حقیقت اور اس کے اقسام و فروع پر قرآن حکیم کی روشنی میں مفصل بحث کی گئی ہے۔

ضخامت ۱۸۰ صفحات۔ قیمت عہ

ملنے کا پتہ

مکتبہ جماعتِ اسلامی، ادارہ دار الاسلام پٹھانکوٹ

ذہنی زلزلے

نعیم صدیقی

قیمت مجلد مع رنگین گرد پوش عہ

(علاوہ صرفۂ ترسیل)

ملنے کا پتہ:

مکتبۂ کاروانِ ادب، جمالپور، پٹھان کوٹ

افسانوی ادب کو مسلمان بنانے کی پہلی کوشش

مندرجات:

افتتاحیہ
نیا انسان
کمرہ میرا عشق
تیسری بھوک
تیکن
کیمیائی تناسل
جیب کترا
صحافت کا مختصر جغرافیہ
اکائی
تبدیلی
مشکو خیالی انسان ہوں جدید دور کا
دماغ کی آہنی
افسانہ کی پری
دو ادیب